قوم کے مستقبل کی خودکشی

تحریر: سہیل احمد لون

جولائی 1997ء کی بات ہے کہ میں اپنے کزن کے ساتھ جرمنی کے شہر شوائن فورٹ میں (Folk Fest) ثقافتی میلے میں آئس کریم والے سٹال پر کھڑا تھا کہ ایک چودہ پندرہ سالہ ترک لڑکی بھی آئس کریم لینے لائن میں لگ گئی۔ اس کے ناک پر ایک پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ میرے کزن نے اس کو دیکھتے ہی اس کا حال احوال پوچھا اور پھر کامیاب سرجری کی مبارک باد بھی دی۔ مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ لڑکی عام نہیں تھی کیونکہ کوئی دور سے ہی ہاتھ ہلا کر اس کا حال پوچھ رہا تھا تو کوئی پاس آ کر اُس کی خیریت دریافت کر رہا تھا۔ وہ لڑکی وہاں موجود ہر آنکھ کا تارا بنی ہوئی تھی، آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سینکڑوں نظروں کا مرکز تھی۔ میری حیرانگی کو دیکھ کر میرے کزن نے بتایا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ ایک ہی پرائمری سکول میں پڑھتا تھا۔ لڑکی کا نام بیورگل (BUERGEL) تھا، پڑھائی میں بہت اچھی ہونے کی وجہ سے وہ گرائمر سکول (Gymnasium) میں چلی گئی۔ گرائمر اسکول میں جانے کے بعد بیورگل بہت خاموش طبع ہوگئی، سکول کے دوسرے بچوں سے الگ تھلگ رہنے لگی، پڑھائی میں بھی اس کی کارکردگی کا گراف گرنا شروع ہوگیا۔ بیورگل کی کلاس ٹیچر نے اس کے والدین کو سکول بلوایا اور علیحدہ ان سے میٹنگ کی۔ والدین نے جب یہ بتایا کہ بیورگل گھر میں بھی بہت اداس رہتی ہے تو ٹیچر نے ہیڈ ٹیچر کو مکمل حالات سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد والدین اور ٹیچرز نے معاملے کی وجہ جاننے کے لیے بیورگل کے دوستوں سے رابطہ کیا۔ بیورگل کی ایک سہیلی سے معلوم پڑا کہ بیورگل کو سکول کے دوسرے بچے طوطے کی ناک والی کے نام سے چھیڑتے تھے۔ اصل میں وہ بہت خوبصورت تھی مگر اس کا ناک نارمل نہ تھا، طوطے کی چونچ کی مانند بڑا سا ناک اس کی خوبصورتی کو بدنما کرتا تھا۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ناک کے سائز میں غیر معمولی اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔ گرائمر سکول میں آ کر وہ ناک کی وجہ سے سارے بچوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ کچھ کھلنڈرے بچے اس کو منہ پر ہی ناک کا طعنہ دینا شروع ہوگئے جس سے وہ ڈیپریشن کا شکار ہو رہی تھی۔ اسی وجہ سے اس کی صحت اور پڑھائی دونوں کا روز بروز شدید متاثر ہونا شروع ہوگئے۔ ٹیچر کو جب اصل معاملے کی خبر ہوئی تو اس نے والدین اور ہیڈ ٹیچر کو مطلع کیا۔ بیورگل کی زندگی کو جہنم کے عذاب سے نکالنے کے لیے ٹیچر نے ایک تجویز دی کہ اگر اسکے ناک کا آپریشن کروا کر اس کو نارمل کر لیا جائے تو بچی پھر سے پرانی زندگی میں لوٹ آئے گی۔ جب اس کے والدین بچی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے تو ڈاکٹر نے کہا چونکہ معاملہ خوبصورتی بڑھانے کا ہے کسی بیماری کا نہیں لہذا لڑکی کے والدین کو اس کے آپریشن کے لیے پیسے ادا کرنا ہونگے عام حالات میں تو علاج معالجہ فری ہوتا ہے۔ لڑکی کے والدین کی مالی حیثیت اس قابل نہ تھی کہ وہ پرائیویٹ فیس دے کر آپریشن کروا سکتے۔ انہوں نے جب ٹیچرز سے یہ بات کی تو سکول والوں نے لڑکی کے حق میں کیس کیا جس میں یہ موقف رکھا گیا کہ لڑکی کو اپنے ناک کی وجہ سے بچوں کے طعنے سن کر ذلیل ہونا پڑتا ہے جس سے وہ مریضہ بنتی جا رہی ہے۔ حساس ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے وہ مزید تذلیل برداشت نہ کر پائے جس کا نتیجہ خودکشی بھی ہوسکتا ہے۔ اساتذہ کے ان اقدام سے عدالت نے حکم جاری کیا کہ لڑکی کے ناک کا آپریشن صحت کا ادارہ بغیر معاوضہ لیے فوری کروائے۔ بیورگل کے سارے واقعے کو مقامی میڈیا

نے بھی بڑا سپورٹ کیا اس وجہ سے وہ اپنے شہر میں خاصی مقبول ہوگئی تھی۔ صحت مند معاشرے میں کسی شخص کی تضحیک یا تذلیل نہیں کی جاتی بلکہ اس امر پر توجہ دی جاتی ہے کہ حالات ایسے پیدا نہ ہوں جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ وہ وجوہات ختم کی جائیں جس سے کوئی انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مگر وطن عزیز کی بدقسمتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں عزت، ادب اور احترام ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ اب حالات اتنے ابتر ہو چکے ہیں کہ ایک ہفتہ میں یکساں نوعیت کے تین بدترین واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ پہلے فیصل آباد میں بارہ برس کا معصوم عمر خودسوزی کر لیتا ہے جس کو صرف دو روز کلاس سے غیر حاضر رہنے کی وجہ سے کلاس ٹیچر نے ساری کلاس کے سامنے ذلیل کیا، مارا پیٹا اور ذلالت کی انتہاء اس وقت ہوئی جب لڑکے کو کلاس کے باقی بچوں سے جوتے بھی لگوائے۔ اپنے ہم عمر کلاس فیلوز کے ہاتھ بدترین ذلت حساس بچے نے برداشت نہ کی اور خودسوزی کر کے ہمارے کوڑزدہ نظام پر مزید آبلے ڈال گیا۔ عمر کا کفن ابھی میلا نہیں ہوا تھا کہ ایبٹ آباد میں صرف چودہ برس کا مبین اساتذہ کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر گلے میں پھندا ڈال کر ماں کی گود ویران کر جاتا ہے۔ مبین کی جیب سے ایک خط بھی برآمد ہوتا ہے جس میں اس نے خودکشی کی وجہ اسکول اور ہوسٹل میں تذلیل بتائی ہے۔ ماں کے نام یہ پیغام لکھ چھوڑا کہ چھوٹے بہن بھائی میں سے کسی کو ہوسٹل نہ بھیجنا۔ میری قبر پر آ کر رونا مگر زیادہ نہیں.....! مبین نے خط میں مزید اپنی ڈائیری کا بھی ذکر کیا جو اس کے کمرے کی الماری میں پڑی تھی۔ اس میں اس نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور تضحیک کا بھی ذکر کیا۔ تیسرا واقعہ کراچی میں پیش آیا جس میں معصوم طالب علم نے خودسوزی کر لی، ڈپریشن زدہ معاشرے میں خودکشی کرنے کی پہلے سے کئی وجوہات تھیں جن میں غربت، مہنگائی، قرض، بے روزگاری، گھریلو ناچاقی، عاشقی، ناانصافی وغیرہ عام ہیں۔ مگر اب معصوم بچوں کا سکولوں میں اساتذہ کے ہاتھوں تذلیل کی وجہ سے خودکشی کرنے کا رجحان بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ترقی پسند معاشرے میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ حالات ایسے پیدا نہ ہوں جس سے کسی فرد کو خودکشی کرنا پڑ جائے جبکہ وطن عزیز میں معاشرہ صرف دو حصوں میں تقسیم ہوتا جا رہا ہے۔ ایک اپر کلاس اور دوسرا لوئر کلاس.....! مڈل کلاس کا خاتمہ ہونے کے بالکل قریب ہے۔ کسی دن ہم نیند سے بیدار ہوں گے تو معلوم پڑے گا کہ مڈل کلاس کا ایک فرد بھی پاکستان میں موجود نہیں اور وہ انتہائی برا دن ہوگا۔ جب معاشرہ صرف دو حصوں میں بٹ جائے تو نتیجہ صرف تصادم ہی نکلتا ہے کیونکہ بہترین زندگی گزارنے کا فارمولہ میانہ روی ہے جس معاشرے میں درمیانی کلاس ہی ندر ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ بھوک، افلاس، ناامیدی، ناانصافی اور غربت کی انتہا انسان کو انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ جو کمزور ہوتا ہے وہ خودکشی کر لیتا ہے جس میں چھیننے کا حوصلہ ہوتا ہے وہ کسی کا خون کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ہماری عوام گزشتہ کئی برس سے مسلسل ڈیپریشن اور سٹریس کا شکار ہو رہی ہے جس کی وجہ سے ان میں برداشت کا مادہ بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ عدم تحفظ، دہشت گردی، مہنگائی، گیس اور بجلی کی لوڈشیڈنگ سے ستائی ہوئی عوام کا مزاج اب اتنا بگڑتا جا رہا ہے کہ معمولی بات پر کسی کا خون کر دیا جاتا ہے۔ اپنے سے کمزور پر غصہ نکالنا سب سے آسان کام ہے لہذا سکولوں میں اساتذہ معصوم بچوں کو تختہ مشق بنا کر ڈیپریشن کا پرچہ حل کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اس وقت آبادی کے تناسب میں بڑی اکثریت غریبوں اور اکثریت غریب نوجوانوں کی ہے اگر ان کو ایسے حالات ملیں جس سے ان میں مایوسی کی انتہا خودکشی کی طرف لے

جائے تو ہمارا کیا مستقبل ہو گا اس کو سوچ کر صرف ڈیپریشن ہی بڑھ سکتا ہے کیونکہ یہ کسی بچے یا نوجوان کی خودکشی نہیں بلکہ قوم کے مستقبل کی خودکشی ہے لیکن یہاں مستقبل کس کو عزیز ہے ورنہ اس واقعات کو اتنی آسانی سے ہضم نہ کیا جاتا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

29-05-2012

sohailloun@gmail.com